قانونِ قدرت پر تفصیلی بحث

(جناب مولوی عقیل محمد صاحب بی ایس سی، ایل ایل بی۔ وکیل میرٹھ)

روزمرہ کی تحریر و تقریر میں "قدرت" اور "فطرت" کثرت سے مستعمل ہیں اور عام ذہنوں میں یہ بھی محسوس ہے کہ فطرت ایک محدود شے ہے اور قدرت ایک وسیع طاقت ہے جس کی کُنہ کو انسانی عقل نہیں پہنچ سکتی، بلکہ زیادہ تر یہ سمجھا جاتا ہے کہ قدرت، الٰہیات کے دائرے کی شے ہے۔ اس میں شک نہیں کہ "قدرت" کا غالب مفہوم خدائی طاقت ہے مگر اس کا ایک مجازی مفہوم بھی ہے جس کا اظہار بہتر طریقہ پر "قانون قدرت" کے جملہ سے ہوتا ہے۔ عام لوگ تو کیا بلکہ ذی فہم انسان بھی اکثر یہ غور نہیں کرتے ہیں کہ مشاہدات عالم میں کن امور پر صحیح طور سے "فطرت" کا اطلاق ہو سکتا ہے اور قانون قدرت کا دائرہ کہاں سے شروع ہوتا ہے۔ وہ کس طرح فطرت سے ایک جداگانہ شے ہے؟

مشرق و مغرب کے تصادم سے ہماری روزمرہ کی لغات میں "نیچر" کا لفظ بھی داخل ہو چکا ہے اور اس کا اسم صفت یعنی "نیچری" اردو زبان میں ایک خاص مفہوم کے ساتھ تمسخر اور تنفر کے اظہار کے لیے بولا جاتا ہے مگر اصل لفظ "نیچر" عجیب کشمکش میں پڑا ہوا ہے۔ اردو داں اصحاب اس کو مادہ پرستوں کا ایک خاص قسم کا شگوفہ سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں درآنحالیکہ انگریزی میں یہ واحد لفظ اپنے اپنے موقع پر فطرت اور قانونِ قدرت دونوں پر حاوی ہے۔ اگرچہ یہ بھی واقعہ ہے کہ ارباب سائنس جب قدرت کی اُن گہرائیوں تک پہنچتے ہیں جہاں آلات اور عقول عاجز ہو

بہلاتے ہیں تو وہ اپنی تسلی اس جامع لفظ سے کر لیا کرتے ہیں۔ بقول غالب ؎

دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے!

الفاظ مذکورہ کی اس مختصر تشریح سے یہ پتہ چلتا ہے کہ عرصۂ کائنات میں طاقت کا جو سیلاب سنجیدگی اور نظم کے ساتھ بہہ رہا ہے اُس کی روش، آثار اور ماخذ کی طرف زبان وضع کرنے والوں کے اذہان متوجہ ہو چکے ہیں اور انسان شروع ہی سے بعض ضروری امتیازات کا شعور رکھتا ہے۔ یہ علم و تحقیق کا کام ہے کہ اس طاقت کے پُرپیچ راستوں کو ہمارے لیے صاف کر دے اور بعض ایسی بنیادی حقیقتوں سے ہم کو آگاہ کر دے جو تخیل اور عقیدہ کے لیے معیار بن سکیں، اور انسانی دماغ کے لیے خاص طور پر سبق آموز ہوں۔ ایک طرف مشاہدہ فکر کا محرک بن جائے اور اُدھر فکر کشاں کشاں صداقت اور سلامتی کے اُس نورانی کیف تک پہنچا دے جو بنی نوع انسان کے لیے طبعی انبساط ہے اور صحیح معنیٰ میں مایۂ زندگانی ہے۔

چنانچہ فطرت اور قانونِ قدرت کی جستجو کو تازہ کرتے ہوئے عالم کی اور بالخصوص کرۂ ارض اور اُس کی آبادی کی خلقت پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ خداوند تعالیٰ نے سب سے اوّل زمین کو قائم اور ہموار کیا اور اُس کے بعد نباتات کو پیدا کیا کیونکہ نباتات کی ساری پرورش کا سامان سطحِ زمین پر موجود ہے۔ پھر حیوانات کو پیدا کیا کیونکہ حیوانات کا گذارہ زیادہ تر نباتات پر ہے اور آخر میں انسان مبعوث ہوا کیونکہ وہ حیوانات اور نباتات دونوں سے متمتع ہوتا ہے۔ موخرالذکر ذی روح مخلوقات میں ہر فرد اپنی جنس کے ساتھ جداگانہ طبعی خاصیت کے ساتھ منسلک ہے جو اُس کی پیدائش سے لے کر پوری بالیدگی تک اور پھر اُس کے دورانِ حیات میں کارفرما رہتی ہے یہی خاصیت اُس کی جسمانی ہیئت کو مقررہ ضروریات کے مطابق ترتیب دیتی ہے اور اس ترتیب کے دوران میں ماحول کے اثرات کو وقتاً فوقتاً قبول کرتی ہوئی رہیں

کرتی رہتی ہے اور اُس فرد کو کشمکش حیات میں عہدہ برآ ہونے کی قابلیت بخشتی ہے۔ موت کے واقع ہونے سے قبل یہ اندرونی خاصیت ماحول کے ناموافق حملوں کا بھی بہت کچھ جواب دیتی رہتی ہے اور فنا ہو ہو کر جینے کا منظر دکھاتی رہتی ہے۔ یہ واقعہ ضرور ہے کہ ازالۂ نقصان کی نوعیت ذی شعور اور غیر ذی شعور مخلوقات میں بدلی ہوئی ہے صرف اس حد تک کہ موخر الذکر میں رفع نقصان کی طبعی قابلیت زیادہ پائی جاتی ہے جیسا کہ نباتات میں جو جل جانے پر یا سطح کے برابر کر دیے جانے پر بھی دوبارہ زندہ ہو سکتے ہیں اور اول الذکر کو چونکہ شعور سے طرح طرح کی اعانت پہنچ سکتی ہے اس لیے طبعی ہمت میں وہ ضعیف ہے۔

مذکورۂ بالا مشاہدات عالم سب فطرت کا کرشمہ ہیں جو ہر نوع اور ہر جنس میں جداگانہ طریقہ پر ظہور پذیر ہوتی ہے، مگر ایک مقررہ قاعدہ کے ساتھ اور اپنی اپنی جگہ محدود دائرے کے اندر۔ اصل فطرت کو اگر دیکھنا ہو تو تخم میں پائی جاتی ہے جہاں مجازی ارادہ، علم و اختیار کو کوئی دخل نہیں مگر تکمیل مقصد کا پورا پورا سامان موجود ہے۔ آگے چل کر ہر ایک حرکت نظر آتی ہے جس کو ہم فطری افعال کہہ سکتے ہیں۔ ترقی یافتہ انواع میں شعور کی روشنی فطرت کے چراغ پر کس قدر چھائی ہوئی معلوم ہوتی ہے، اگر حیوانات میں یہ شعور بالکل فطرت کے تابع ہوتا ہے اور انسان ہی صرف ایسی جنس ہے جو اِدھر اُدھر پرواز کرتا ہوا نظر آتا ہے لیکن اس طرح پر جیسے سمندر کی چڑیا جو باوجود پرواز کے اس سے جدا نہیں ہو سکتی۔

ان تفصیلات سے فطرت کا مفہوم پورے طور پر عیاں ہو جاتا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ظاہر ہے کہ اس تذکرہ کا تعلق کائنات کے چھوٹے چھوٹے جزئیات سے ہے اور یہ فلکہ ہی جو کثرت نیرنگی اور تفریق سے سراسر پامال ہو چکا ہے نیز یہ جزئیات فن طبعیات کے اعتبار سے کسی کلیہ سے متعلق معلوم ہوتے ہیں نہ کسی کلیہ کی طرف رجوع نظر آتے ہیں بلکہ ہر جز اپنے معیار کے مطابق اہم

شکل اور صورتوں سے ہے کہ وہ بجائے خود ممود و تشخص کا دعویدار ہے مگر ہر جزئیہ کے تحت میں ایک قانون
ہے جو گرد و پیش کے ذرات پر حکمرانی کر کے اشکال و قوالب کو رونما کرتا رہتا ہے۔

قانونِ قدرت کی تعریف اور اُس کے امثال

فکر رسا کو فطرت کی دلفریب وادی سے آگے بڑھائیے تو کائنات کا خاموش ویرانہ سامنے
آجاتا ہے مگر ایک بسیط قانون اس میں ودیعت کیا ہوا یا محیط پایا جاتا ہے جس کا ہر شعبہ یہ پتہ دیتا ہے
کہ خلقت کی تحریر اُسی کے ہاتھوں لکھی گئی ہے کیونکہ عبارت کی ہر سطر بلکہ ہر گوشہ اُس کے تابع فرمان
اور ہمنوا نظر آتا ہے۔ وہ ایک طرف تو کائنات کے وجود کو تھامے ہوئے ہے اور اس کی نگہبانی
کرتا ہے اور دوسری جانب اُس کی رونق و رنگینی کی سعیِ کامیاب میں مصروف ہے۔ اپنے بسط
و عمومیت کے اعتبار سے نہایت عام فہم اور چھوٹی بڑی مخلوقات میں جاری و ساری مگر ماہیت
کے اعتبار سے عقل کے کنج و کاو سے بالاتر، قدامت میں آفرینش کے کنارے کا پتہ دینے والا م
جہاں محسوسات اور مجاز کے پردوں میں تیزی سے ذہول ہو جاتا ہے اور بالآخر مرتفع ہو کر ایک حقیقت
بے چون و بے چگوں باقی رہ جاتی ہے جس کو علم و مشیت الٰہی کے سوا کسی اور طرح پر موسوم نہیں
جا سکتا۔ اسی عظیم الشان اور بدیہی نظام کو قانون قدرت کہتے ہیں۔

قانونِ کششِ اجسام اس اجمال کی تفصیل درکار ہے یا یوں کہیے کہ قانونِ قدرت کی امثال اور اس
کی مذکورۂ بالا خصوصیات کو بیان کر دینا ہے۔ اس قانون کا سب سے نمایاں پہلو کششِ اجسام
کا قانون ہے جس کے ذریعہ مختلف سیارے نہ صرف معلق ہیں بلکہ تیز رفتاری سے گردش کرنے کے
باوجود دائرۂ نظم سے باہر نہیں جا سکتے۔ اسی قانون کی بدولت زمین سورج اور چاند کی شعاعوں سے
صحیح طور پر استفادہ کر سکتی ہے کیونکہ اس کا دارومدار مناسب فاصلہ کے قائم ہونے پر ہے اور یہی
فاصلہ دن اور رات کے ظہور اور موسمی تغیرات کا سببِ اصلی ہے۔ علاوہ ازیں کششِ اجسام

م بلکہ ازل سے ٹکرا جانے والا اور نظر بصیرت کو ایسی منزل میں گم کر دینے والا۔

کی وجہ سے مختلف سیاروں میں برقی اور مقناطیسی طاقتیں گھٹتی اور بڑھتی رہتی ہیں اور ہر کرہ کا مقررہ ذخیرہ قائم رہتا ہے جو اس کے فطری کاروبار کو انجام دینے کے لئے ضروری اور اس کے مقررہ طبعی افعال کی تکمیل کے لیے ناگزیر ہے۔ غرضکہ اس قانون کا اجراء خلقت میں ایک خاص طرح پڑ جانے کا باعث ہوا اور مخلوقات کے صغیر وکبیر جزئیات اس کے تابع فرمان ہو کر اس کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں۔ نہ صرف مادی اشکال بلکہ بیشمار قوانین فطرت بھی اس کے حلقہ بگوش اور خوشہ چیں ہیں۔

قانونِ جاذبیت یا مثلاً یہ قانون کہ ہر مادی شے معلق ہو جانے پر زمین کے مرکز کی طرف اپنے وزن کے اعتبار سے نزول کرتی ہے اور جب تک کوئی دوسری شے مؤثر طریقہ پر حاجب نہ ہو وہ اس رفتار سے باز نہیں آسکتی۔ یہ قانون بیّن ہے اور ہر دم اس کا تجربہ ہوتا ہے۔ سائنس جدید نے اس کی کنہ بیان کرنے میں اس پر اکتفا کیا ہے کہ کرۂ ارض میں ایک قوی مرکز جاذب اشیاء تسلیم کیا ہے، نیز اس کشش کی کیفیت کی تشریح کی ہے اور اس کے مفصل ضوابط قائم کیے ہیں مگر کسی شے کی فعلی کیفیت اور ماہیت میں بڑا فرق ہے اور سائنس کے طلباء اس سے بخوبی واقف ہیں کہ ماہیت کے اعتبار سے یہ قانون بھی اپنی جگہ بالکل محیر العقول ہے، بہرحال ہماری بیان کردہ تعریف کے اعتبار سے یہ مشاہدہ صیغۂ قدرت میں داخل ہے نہ کہ فطرت میں کیونکہ مخلوقات پر نظر کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس قانون کو عمومیت حاصل ہے یعنی یہ کہ فطری جزئیات کی تشکیل اس کے تحت میں ہوئی ہے مثلاً بارش کا نزول اس قانون کے مطابق ہوتا ہے اور اس کے لیے پانی کو ہوا سے زیادہ وزنی بنایا گیا تاکہ اس قانون کے بموجب وہ سحاب کی شکل میں معلق ہو کر اور پھر برودت کے اثر سے پانی ہو کر بہ آسانی سکانِ ارض کو سیراب کر سکے اسی طرح عالم نباتات کی خلقت میں جبکہ غذا کو سطح زمین سے برگ و بار تک بیسیوں فٹ اوپر

پہنچانا تھا تو اسی قانون کی پابندی لازم آئی اور اشجار میں ایسی شرائین پیدا کی گئیں جو قوت سے ساتھ غذا کو کشاں کشاں منزل مقصود تک پہنچا دیں۔ اس قسم کی امثال میں بہت کچھ اضافہ کرنا ممکن ہے مگر تفہیم فہم کے لیے یہ دو مثالیں بھی کافی ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جاذبیتِ ارض کے اس قانون کا منشا من حیث الکل کچھ ہے یا نہیں، چونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ زمان کے اعتبار سے قانونِ قدرت کو جملہ مخلوقات پر فوقیت حاصل ہے اور وہ خود کائنات کا اُس کے پرزوں اور شوشوں سے قطع نظر کر کے بھی نگہبان ہے، نظر غائر کرنے سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس روزمرہ کے قانون میں بھی بعض بنیادی مقاصد پنہاں ہیں۔ وحی الٰہی کے مخبر صادق ؐ نے ہم کو خبر دی ہے کہ ایک وقت میں تمام سیارے ایک گٹھری کی شکل میں جُڑے ہوئے تھے اور یدِ قدرت نے اُس کا تجزیہ کر کے عوالم اور کُرّے قائم کیے۔ کانتا رتقاً ففتقنٰہما ہر سیارہ بجائے خود ایک نظام کا محور بن کر ظاہر ہوا اور ہے۔ اس نظام کے دو بڑے اجزا ہیں جن کی بقا پر اُس نظام کی کا مدار ہے یعنی ایک مقررہ مقدار مادہ کی اور قوت کی۔ اِن دونوں اجزا کی اضاعت رفتہ رفتہ اس نظام کی تخریب کا باعث ہو سکتی ہے، لہذا ضروری ہوا کہ ہر نظام میں اپنے ذخیرہ کے تحفظ اور تکفل کی کامل صلاحیت ہو اور اس کی بہتر صورت قوی مرکزی جاذبیت ہی ہو سکتی تھی جو ذرہ ذرہ کو جوشِ مادری کے ساتھ بڑے ڈھیر کی طرف سمیٹتی رہتی ہے۔

قانونِ انجماد اِسی ذیل میں تعقُّن قدرت کی ایک اور وضعداری کی طرف اشارہ کر دینا مناسب ہوگا۔ قانونِ جاذبیت کے ساتھ ایک قانون یہ بھی جاری کیا گیا کہ خلا محال قرار دیا گیا یعنی کسی ایک نظام کے اندر کوئی جگہ اگر مادہ سے بالکل خالی ہو جائے تو اُس خالی جگہ میں ایسا دباؤ پیدا ہو جاتا ہے جو قریب ترین مادّی اشیاء کو اپنی طرف بڑی قوت سے کھینچتا ہے۔ یہ مشاہدہ بھی اپنی

عمومیت، حاکمیت اور قدامت کے اعتبار سے قانونِ قدرت کی تعریف میں آتا ہے۔ اس قانون کا بنیادی مقصد قانون جاذبیت کے فعل سے بہت کچھ مشابہ ہے، کیونکہ خالی جگہ پُر کرنے سے کسی مخصوص نظام کے ذخیرہ کا ایجاد حاصل ہونا لازم ہے، اور دوامی تحفظ کا ذریعہ ہے بالخصوص اُن ایام دہر میں جبکہ مادہ زیادہ تر سیال شکل میں تھا۔ وکان عرشہٗ علی الماءِ اور یہ بھی واضح نہیں ہے کہ اُس وقت مادہ کی کوئی دُخانی شکل بھی تھی یا نہیں یعنی ہوا کا کرہ موجود تھا یا نہیں۔ ایسی حالت میں جب مادہ سیال حالت سے ثقل کی طرف مائل ہوگا تو بے جوڑ گھاٹیوں سرنگوں اور مسامات کا پیدا ہو جانا ممکن تھا۔ مگر اس قانون کی بدولت تمام ایسے خالی مقامات کا حتی الوسع پُر ہو جانا اور کرۂ ارض کی سطح اور بطن کا اُستوار ہو جانا ممکن ہوا کیونکہ یہ مقامات ہوا سے لبریز ہو کر قانون کے مقصد کو پورا نہیں کر سکتے تھے۔ یہ قرائن اس قانون کی قدامت پر دال ہیں اور اس کے بنیادی مقصد کو واضح کرتے ہیں۔

اس قانون کی حاکمیت اور عمومیت کا اندازہ کرنا بھی بہ آسانی ممکن ہے جبکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ حیوانات اور نباتات کے آلات تنفس اس کے تابع مخلوق ہوئے ہیں۔ سانس لینے میں اور پانی پینے میں تمام طبیعی افعال اسی قانون کے تحت میں صادر ہوتے ہیں کیونکہ اعضاءِ متعلقہ کی ساخت اسی اصول پر مبنی ہے۔ قانون قدرت کی اس فیاضی کا ہم تذکرہ کر چکے ہیں کہ وہ مخلوق کا از سرتاپا حاکم بھی ہے اور خادم بھی، گویا وہ سطوت سلطانی کے ساتھ ظلِ عاطفت بھی رکھتا ہے چنانچہ قانون زیر بحث میں یہ خصوصیات نمایاں ہیں۔ ابتداء آفرینش میں اُس نے جو کچھ کیا اُس کے اعادہ کی ضرورت نہیں مگر اسی پر یہ قیاس کر لیجیے کہ ارضی نظام میں بحالت موجودہ سائنٹفک حیثیت سے سب سے زیادہ مفید مواد سیال حالت میں ہے یعنی پانی اور ہوا اس کے تیزی سے منتقل ہونے پر دور اُفتادہ جانداروں کی حیات کا دارومدار ہے۔ پہاڑوں اور

چٹانوں سے طرح طرح کے چشموں کا پھوٹنا، اُبلنا اور بہنا جزواً اسی قانون کے تحت میں ظہور پذیر ہوتا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ ہوا کی طبعی کیفیت بھی اس قانون کو مدنظر رکھتے ہوئے ہوا کے طبقات جب حرارت کے اثر سے لطافت پکڑ لیتے ہیں اور مائل بہ خلا ہو جاتے ہیں تو قریب و بعید کی ہوائیں اس کمی کو پورا کرنے کے لیے شدت سے دوڑتی ہیں جس میں مخلوقات کے بیشمار منافع اور اسباب بارانی وغیرہ مضمر ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس باب میں یہ قانون فرشتۂ رحمت ہے۔

قانون زوجین قانون قدرت میں ایک مہتم بالشان صیغہ اپنے عظیم مصالح اور الطافِ عام کی وجہ سے روز ازل میں لوح محفوظ پر اس طرح مندرج ہوا۔ ومن کل شیٔ خلقنا زوجین (یعنی تمام مخلوقات کو جوڑا جوڑا پیدا کیا گیا) اور موجودات نے جامۂ ہستی پہن کر پہلی فرصت میں اس کو لبیک کہا، نیز عالم فطرت میں ادنیٰ و اعلیٰ نے پورے تپاک سے اُس کا خیر مقدم کیا اور یہ قانون بھی ایک ہمہ گیر حقیقت بن کر رہ گیا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوگا کہ اس قانون کو کائنات کی ابتدائی طبیعات سے کوئی تعلق نہیں ہے یا یوں کہیے کہ غیر ذی روح مخلوقات میں اُس کا کوئی مظاہرہ نہیں ہوا مگر اول تو یہ خیال بعض بیّن مشاہدات کے خلاف ہے جیسا کہ آئندہ انکشافات سے ظاہر ہو جائیگا اور دوم یہ کہ غیر ذی روح اشیاء میں اس قانون کا ظہور تشبیہ اور استعارہ کی شکل میں پایا جاتا ہے جس کو ایک مبصر اور عالم ہی سمجھ سکتا ہے کیونکہ عام اذہان میں جو زوج کا مفہوم ہے وہ خود محدود اور علمی حیثیت سے ناکافی ہے۔ عام طور پر قانون زوجین کا منشاء ایک جنس کے دو مختلف الاوصاف افراد کے اختلاط سے دیگر افراد کی پیدائش سمجھا جاتا ہے اور غیر ذی روح مخلوقات پر جنس اور افراد کے تخیل کا اِطلاق ہی نہیں ہوتا مثلاً کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ پتھر ایک جنس ہے یا مٹی ایک جنس ہے جبکہ ایک کو دوسرے کی شکل میں بآسانی تبدیل کیا جا سکتا، اور اس

میں یا افراد کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس قانون کے بنیادی مقصد کی جستجو کی جائے اور ہمارے بیان کردہ معیار کی روشنی میں اُس کو سمجھا جائے جو صاف طور پر یہی ہے کہ ہر قانون قدرت کائنات کا نگہبان، ممد حیات اور صفحۂ ہستی کے لیے ذریعۂ زینت ہے۔ اس تعریف میں کائنات سے خالص مادّی اجسام مُراد ہیں جس کے اندرونی عناصر طاقت اور خواص ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ خواص اُن اجسام میں ودیعت کیے ہوئے ہیں اور اُن کا جز ہیں، اور طاقت بجائے خود مجرّد شے ہے مثلاً حرارت، برقی یا مقناطیسی طاقت اور جداگانہ افعال خواص کی متحمل ہے۔ یہ تمام موجودات کم وبیش قوت کے ساتھ متحرک ہیں، اثر پذیر اور اثر انداز بھی ہیں۔ اور اگر یہ حرکات کسی خاص ربط و قید کے ساتھ واقع نہ ہوں یعنی مخصوص طریقہ سے محدود نہ کر دیے جائیں تو اعتدال قائم نہیں رہ سکتا اور کارخانۂ ہستی آنِ واحد میں درہم برہم ہو جائیگا۔ لہذا یہ ناگزیر ہوا کہ غیر ذی رُوح دنیا میں اضداد قائم کیے جائیں، اور ایسے خواص وضع کیے جائیں جو ایک دوسرے کے مقابل ہوں اور حد سے گذر جانے کے اور عالم پر بے طرح مسلط ہو جانے سے مانع ہوں حتیٰ کہ ہر طاقت اور ہر جسم اپنی اپنی جگہ پر مفید بھی رہے اور تخریب کی طرف قدم بھی نہ بڑھا سکے۔ لہٰذا مقصد کے پیشِ نظر مقننِ قدرت کے نزدیک غیر ذی روح اشیا میں زوجین کے معنی ضدین قرار پائے چنانچہ خشکی کو تری سے اور تری کو خشکی سے دفع کیا گیا تاریکی کو روشنی سے اور روشنی کو تاریکی سے تغیر پذیر کیا گیا، حرارت کو برودت کے مقابل کر دیا گیا، تلخ کو شیریں سے قائم کر دیا گیا اور تیزاب کو کھار سے متوازن کیا گیا، اور اجسام متعلقہ میں اسی قانون کے تحت میں مناسب خواص کا ظہور ہوا۔ اُدھر طاقت میں متضاد اقسام پیدا کر دی گئیں جیسے برق اور مقناطیس میں منفی و مثبت اقسام جو ایک دوسرے کو کھینچتے بھی ہیں اور سلب بھی کر لیتے ہیں۔ اگر ان بے پناہ قوتوں میں زوجین کی صفت نہ ہوتی تو ماضی کا نام قیامت ہوتا۔

نتیجہ یہ ہے کہ بحر وبر کی اقلیمیں اس واحد قانون کی مرکزی فیڈریشن سے منسلک ہیں اور اپنے اپنے حدود پر نازاں اور قانع ہیں۔ سمندر اپنی موج میں ہے۔ زمین اپنی خاکساری پر قائم ہے اور ہوا اعتدال کے دھیمے ترانے گاتے چلی جاتی ہے، تاکہ کہسار کی دلفریبیوں، گل وبلبل کی آویزشوں اور انسان کی گرمیِ محفل میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔

چونکہ ہر ایسے قانون کو مطلق عمومیت حاصل ہوتی ہے اس لیے زندہ مخلوق میں بھی اس کے خفی اور جلی اثرات پائے جاتے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ اس گروہ میں جو جنس ترقی یافتہ ہے اُسی قدر وہ عامۃ الناس کے لیے اس قانون کے کمالات کی مظہر ہے اور جو اجناس اپنی خلقت کے اعتبار سے گھری ہوئی ہیں اُسی قدر قانون مذکور کی کرشمہ سازیاں کوتاہ بیں سے پوشیدہ لیکن دوربیں اور نکتہ سنج پر عیاں ہوتی چلی جاتی ہیں بلکہ ایسے مفکّرین تو یہ اقرار کرنے پر مجبور ہیں کہ مخلوقات کے خلقی درجات کو اس قانون کے رسوخِ تام سے کوئی سروکار نہیں ہے بات صرف اتنی ہے کہ ہر جنس اپنی خلقی قابلیت کے مطابق قانون سے مستفیض ہوتی ہے جس سے اُس کی ہمہ گیری میں کوئی نقص لازم نہیں آتا مثلاً نباتات میں جو بظاہر ایک ساکت وصامت طبقہ ہے تذکیر وتانیث کے سلسلہ میں کوئی خاص تگ ودو نہیں پائی جاتی اگرچہ دور رس نگاہیں ایسے عجائبات کا پتہ لگا لیتی ہیں جو محوِ حیرت کر دینے کے لیے کافی ہیں۔ حیوانات جو درمیانی طبقہ ہے وہ بقائے نسل کے منشاء کو زیادہ نمایاں طریقہ پر لیے ہوئے ہے اور بنی نوع انسان جو اعلیٰ ترین مخلوق ہے اور اُس کے اعضا اور شعور مکمل ہیں اور فطری بلوغ کو پہنچے ہوئے ہیں اس قانون کی ایک خاص شرح وبسط کا حامل ہے۔ یہاں قانون کا منشا بقائے نسل سے تجاوز کر کے لطیف جذبات وحسیات، باہمی معاشرت اور تہذیب وتمدن پر بھی حاوی ہے۔

چونکہ اخلاقی اور ذہنی مباحث موجودہ حیطۂ کلام سے خارج ہیں۔ اس لیے گفتگو کو مختصر

کرتے ہوئے یہ دیکھنا ہے کہ ذی روح مخلوقات کا اس قانون سے کیا ربط و تسلسل ہے۔ اس ذیل میں سب سے اول یہ امر قابل غور ہے کہ جبکہ دیگر قوانین قدرت عالم فطرت کے بقا اور نمو کے حامی ہیں یہ قانون اُس کے تزین اور نیرنگی پر بھی عزم کے ساتھ مائل ہے جس کی بین امثال نباتات میں موجود ہیں۔ یہ عام طور پر معلوم ہے کہ نباتات میں تذکیر و تانیث دو طرح سے پائی جاتی ہے۔ یا تو ایک ہی درخت میں دو قسم کے پھول پیدا ہوتے ہیں یا ہر جنس کے دو مختلف پودے مذکر و مؤنث ہوتے ہیں اور ان دونوں اجزا کے باہم اور پے بہ پے اتصال سے تخم و ثمر کی بنیاد پڑتی ہے۔ فطرت نے یہ کام چھوٹے بھنگوں، تتلیوں اور چڑیوں سے لیا ہے جو پھولوں کے رنگ و خوشبو اور شیریں عرقیات کی ریزش کے عادتاً دلدادہ ہوتے ہیں اور اُن کے جویا رہتے ہیں۔ یہ جانور اپنا حظ حاصل کرنے کے لئے شاخ در شاخ اُڑتے رہتے ہیں اور مذکر اور مؤنث اجزا اُن کے بدن سے مس کر کے اِدھر سے اُدھر منتقل ہو جاتے ہیں۔ تخم کے قائم ہو جانے کے بعد سوال اس کا ہے کہ اس کو متفرق مقامات پر کیونکر منتشر کیا جائے۔ اس کے لیے عجیب عجیب صورتیں اختیار کی گئی ہیں۔ پردار تخم ہیں جو ہوا پر اُڑ جاتے ہیں اور جائے پیدائش سے میلوں دور جا کر ٹھہرتے اور اُگتے ہیں۔ بعض اقسام میں تخم کا کوزہ خشک ہو کر اس قدر زور سے شق ہوتا ہے کہ دانہائے تخم کو دور دور پھینک دیتا ہے۔ یہ عام طریقہ ہے کہ تخم کو لذیذ مغزیات اور گودے میں لپیٹ کر پیدا کیا جاتا ہے تاکہ حیوانات اور انسان اس تحفہ کی طرف رغبت کریں اور اُس کو دور دور لیجا کر گودے کو استعمال کر کے تخم کو منتشر کر دیں۔ یہی متفرق مشاہدات ہیں جو مجتمع ہو کر مناظر فطرت کے نام سے سراہے جاتے ہیں اور قانون قدرت کی صناعی کا پتہ دیتے ہیں۔

نباتات میں بہت سی ایسی اقسام ہیں جو اپنی بقائے نسل کے لیے تذکیر و تانیث اختیار

کرنے پر مجبور نہیں ہیں اور اُن کی شاخ کا کوئی حصہ زمین میں نصب ہونے کے بعد پورا درخت بن سکتا ہے اگرچہ ایسے اشجار میں بھی پیدائش افراد بذریعہ زوجین کے ہی ہوتی ہے۔ ان شاہدات سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اس قانون کے بعض ضمنی مقاصد اور مصالح بھی ہیں جو اجناس و افراد کے لیے فی نفسہٖ معین ہیں۔ مثلاً یہ کہ مختلف الاوصاف افراد اختلاط سے بہتر اور ترقی یافتہ افراد کے پیدا ہونے کا امکان ہے بلکہ یہاں تک بھی ممکن ہے کہ جنس کے اندر ضمنی اجناس کا ظہور ہو جائے۔ نیز حیوانات کے اندر تربیت ولد میں بجائے ایک فرد کے دو افراد کو گہری دلچسپی ہو جاتی ہے جو آئندہ نسلوں کے تحفظ کا ضروری ذریعہ ہے۔ حیوانات کے باب میں بآسانی اور نباتات میں کسی قدر غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ازدواجی میلان بہت سے مفید طبعی اوصاف کا محرک ہے۔ اور دوسری حیات آفریں طاقتوں کو برانگیختہ کرتا ہے اور فرد کو کشمکش حیات میں شناوری کے لیے ایک خاص استعداد اور جولانی بخشتا ہے بلکہ اس کی بدولت وہ حیات کی جدوجہد میں جان تک کی بازی لگا دیتا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ اگر ذی روح مخلوق کو اس قانون کی تعمیل سے سبکدوش کر دیا جائے تو ہر طرف افسردگی اور مُردنی کا عالم ہوگا اور ترقی معکوس کا دور دورہ ہو جائیگا۔

قانونِ قدرت کی کیف اور ماہیت

اب تک ہم نے قدرت کے قوانین کی چند امثال بیان کی ہیں جو زیادہ تر فن طبیعیات سے ماخوذ ہیں ورنہ واقعہ یہ ہے کہ موجودات کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جو کسی ازلی شعاع کی روشنی میں اپنے مقررہ محور پر گردش نہ کر رہا ہو یہاں تک کہ مادیات، مادہ کے افعال و خواص، نفسیات، اخلاقیات وغیرہ سب کے سب ایسے قوانین کے زیرنگین پائے جائینگے۔ امثال مذکورہ کے تفصیلی بیان سے یہ بھی ظاہر ہے کہ قانونِ قدرت میں کائنات کی تعمیر کا راز نہاں ہے اور اسی لیے

وہ زمان و مصلحت کے لحاظ سے کائنات پر فائق ہو۔ اس سے نظر ہٹا کر جب مقاصد کو دیکھیے تو یہی قانون کائنات کے اندرون میں پیوستہ اور بھڑکتا ہوا نظر آتا ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اس قانون کا ماخذ کیا ہے اور اس کی کنہ کا تصور کس طرح پر کیا جائے۔ ادبیات کا دائرہ اس تلاش سے پیچھے رہ جاتا ہے اور مجاز کا کوئی شائبہ اگر باقی ہے تو وہ حقیقت سے بغلگیر ہو چکا ہے عقلِ سلیم صاف طور پر بتاتی ہے کہ ایسے قانون کا کوئی منبع ہو سکتا ہے تو وہ علم بے پایاں اور غیر محدود ہو سکتا ہے جیسا کہ خداوند عالم کی ذات بابرکات کے ساتھ بجا طور پر منسوب ہے اور اس کی صفتِ علم ہی اُس کی خالقی پر دلیل عینی ہے، مزید برآں قانون قدرت کے عظیم مقاصد، طویل معانی اور مربوط نتائج کی فراوانی سے آشکارا ہے کہ یہ قانون کسی مدبر اعظم کی مشیت کا عکس ہے جو ابھی لفظِ "کُن" سے فارغ ہو کر اپنی رحمت و رافت کو مستقل دستور کی شکل میں نافذ فرما رہے ہیں۔ اور ضعیفانِ فطرت کو اس ارشاد سے ساتھ مطمئن فرما رہے ہیں۔ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَبدِيلا اور اس تکرار و اصرار سے بھی ولن تجد لسنة الله تحويلا اُدھر فطرت میں بھی سانس آنے لگا ہے۔ خواب و بیداری کا عالم ہے۔ فضا نہایت موافق ہے، مخملی بستر، سرگیں آنکھیں نیم باز ہونے پائی تھیں کہ سہانی چاندنی اور ہلکی پھوار کا منظر اُن میں سما کر رہ گیا۔ وجد و ولولہ کی کیفیت ہے اور کچھ بے چینی سی ہے آخر لبہائے نازک کے درمیان زبان نے حرکت کر کے بروقت اعانت کی تو وفورِ شوق سے جناب باری میں غزلخواں ہے۔

بنام جہاندار جاں آفریں حکیمے سخن برزباں آفریں

بحث کا ایک اہم نتیجہ

ہم نے دیکھا کہ تمام دور فطرت اور مادہ کے افعال و خواص دراصل مختلف قوانین کا مجموعہ ہیں

صرف مادہ کی ٹھوس کیفیت ایک شے متمیز باقی رہ جاتی ہے مگر اُس کی بنیاد یعنی جزو لایتجزیٰ کی بابت تحقیقات جدید نے بتا دیا ہے کہ اُس کی ماہیت برقی ذرات کی ترتیب و گردش پر ختم ہو جاتی ہے اور یہ بھی ایک مقررہ قانون ہی ہے گویا مادہ کا ثقل ایک موہوم شے ہے۔ یہ امر آخر ہے کہ جب موہوم اشیا آپس میں متصادم ہوتی ہیں تو وہ ایک دوسرے کو حقیقت سمجھنے لگتی ہیں اور یہی دھوکا انسان کو بھی لگتا ہے۔ چونکہ مادہ کی ماہیت بھی قوانین کا مجموعہ ثابت ہوئی جو خود ایک بڑے قانون کا آوردہ اور پروردہ ہے تو مادہ کی قدامت کا دعویٰ کرنے والوں نے انتہائی کوتاہ بینی سے کام لیا اور اسلم یہی ہے کہ اپنی جہالت کا اقرار کر کے رب العالمین کے علم عظیم اور بے تکان خلاقی کے پائدار عقیدہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا جائے۔